OPEN ACCESS
MA'ARIF-E-ISLAMI (AIOU)
ISSN (Print): 1992-8556
ISSN (Online): 2664-0171
https://mei.aiou.edu.pk

حقوقِ انسانی کا مذہبی تصور

Religious Paradigm of Human Rights

صوفیہ محبوب
پی ایچ ڈی ریسرچ سکالر، گفٹ یونیورسٹی، گوجرانوالہ
ڈاکٹر مستفیض احمد علوی
ڈائریکٹر فیکلٹی آف آرٹس اینڈ سوشل سائنسز، گفٹ یونیورسٹی

Abstract

Human rights in the modern world are considered to be the basic rights of a man based on being a human being. These rights belong to every person in the world and remain consistent with him/her from birth until death. These rights are basic, universal and un-alienable. The history of human rights starts since early human civilizations; evolved in the modern form since the Western renaissance.

The religion as a worldview and as a code of human life, always have an important role in human life and society. It has its concept of rights and responsibilities but never thought of in the modern socio-political terms. The Prophet PBUH) of Islam established the very basics of rights and responsibilities of an individual to be a responsible citizen. Therefore, the study of religions, clearly states that human rights are the name of the basic principles, which maintain human relationships in society. The following study analyses the same idea in brief.

Keywords: *Human Rights, Principle of right and responsibility, Fundamental rights through Religion*

حقوقِ انسانی کی تاریخ کا آغاز قدیم انسانی تہذیبوں سے ہی ہو گیا تھا تاہم جدید مغربی تصورات کا ارتقاء قدیم یونان اور روم سے ہوتا ہے۔ قرون وسطی میں بھی مزارعوں کی غلامی کا تصور غالب رہا ہے۔ چرچ نے غلاموں کو آزادی دینے کی حوصلہ افزائی کی لیکن بہت سے جرائم کی سزا کے طور پر غلام بنائے جانے کی رسم بھی موجود رہی۔ ساتویں صدی عیسوئی میں سرزمین عرب سے اسلام کا سورج طلوع ہوا اور وقار انسانی اور حقوقِ انسانی کے لحاظ سے نبی آخرالزمان حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے تاریخ انسانی کا سنہری باب رقم کر دیا۔ حقوقِ انسانی کے جدید دور کا حقیقی آغاز گیارہویں صدی میں ہوا اور تسلسل کے ساتھ مختلف اوقات میں منشور اور قوانین منظور کیے گئے۔ مذاہب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حقوقِ انسانی سے مراد ایک فرد کے ذمے وہ فرائض ہوتے ہیں دیگر افراد معاشرہ کے حوالے سے اس پر عائد ہوتے ہیں۔

لفظ حق (جس کی جمع حقوق ہے) کے مفہوم کو جاننے کے لیے، قرآن حکیم کی ان آیات پر غور ضروری معلوم ہوتا ہے، جہاں اس لفظ کا استعمال ہوا ہے۔ یہ لفظ قرآن میں، حق اور الحق کی صورت، بالترتیب بارہ (۱۲) اور دو سو ستائیس (۲۲۷) مرتبہ، مختلف مقامات پر آیا ہے۔[1] ماہرین لغت کی تشریحات کے مطابق حق کے بنیادی معانی ایک تو سچ اور اصل کے مطابق و

موزوں ہونے کے ہیں اور دوسرے، واجب اور ضروری ولازم ہونے کے ہیں۔[2] امام راغب اصفہانیؒ (۵۰۲-۴۰۹ھ) کی تحقیق کا خلاصہ یوں بنتا ہے کہ حق کے اصل معنی مطابقت اور موافقت کے ہیں [۳]، جیسے قرآن مجید میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کو حقیقت کے موزوں تخلیق کیا ہے: مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ۔۔[۴] (نہیں پیدا فرمایا اللہ تعالیٰ نے اسے مگر حق کے ساتھ۔) اسی طرح مبنی بر حق تخلیق اور تخلیق کرنے والی ذات کے لیے بھی حق کا لفظ آتا ہے: فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ۔۔[۵] (یہ ہے اللہ تعالیٰ جو تمہارا حقیقی پروردگار ہے۔) باطل و گمراہی کی ضد اور مقابل کے طور بھی لفظ حق قرآن مجید کی اصطلاح ہے: فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ۔۔[۶] (پس حق کے بعد کیا ہے بجز گمراہی کے پھر تمہیں کدھر موڑا جارہا ہے۔) اسی طرح حق کا معنی سچ اور درست کے ہیں: كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ[۷] (یونہی ثابت ہو چکی ہے آپ کے رب کی بات) قرآن مجید میں حق، لازم، ضروری اور واجب کے معنوں بھی استعمال ہوا، جیسے: حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ (یہ ہمارے ذمہ ہے کہ ہم بچالیں گے اہل ایمان کو۔)

لفظ حق کی درج بالا تشریح سے واضح ہوتا ہے کہ بطور سماجی اصطلاح کے حقوق سے مراد وہ امور ہوتے ہیں جن کا ایک حصہ فرد کو معاشرے سے اور دوسرا معاشرے کو فرد سے مطلوب ہوتا ہے۔ یہ ایک کا حق اور دوسرے کی ذمہ داری ہے جو کہ تسلسل اور ترتیب کے ساتھ جاری رہتے ہوئے معاشرے کی اقدار بن جاتی ہیں۔

انگریزی زبان میں حق یعنی Right کا لفظ، درست اور راست عمل کے لیے استعمال ہوتا ہے۔[8] Right یعنی حق، کا ایک مفہوم انصاف اور حقانیت بھی ہے۔ اسی طرح کسی چیز کو درست قرار دینا یعنی تصدیق کرنے کا مفہوم بھی اس لفظ میں موجود ہے۔[9] حق یا Right کا ایک مفہوم "لازمی اور فرض" (Obligation) بھی ہے:

Something by a person is obliged to do certain things, and which arises out of a sense of duty or results from custom law.[10]

(دوسرے کا) حق وہ عمل ہے جو کوئی شخص اپنا فرض سمجھ کے انجام دے، احساس ذمہ داری کے ساتھ جو کہ قانون اور مستقل قدر کے طور سامنے آتا ہے۔)

گویا اصطلاحی مفہوم میں انسانی حقوق سے مراد ایسے قوانین اور اقدار ہیں جن پر تمام انسانوں کو یکساں استحقاق حاصل ہے۔ یہ حقوق انسان کو کسی ریاست کا شہری ہونے کی بنا پر نہیں بلکہ عالمگیر انسانی برادری کا رکن ہونے کی حیثیت سے حاصل ہی۔ انسائیکلوپیڈیا آف ہیومن رائٹس Encyclopedia of Human Rights کا مقالہ نگار حقوقِ انسانی کے بارے میں لکھتا ہے:

> Human rights are those minimal rights which every individual must have against the state or other public

authority by virtue of his being a member of the human family, irrespective of any other consideration.[11]

(حقوق انسانی کم از کم وہ حقوق ہیں جو کہ ہر فرد کو ریاست اور اس کے اداروں کے حوالے سے لازماً حاصل ہونے چاہیے محض اس بنا پر کہ وہ انسانی برادری کا ایک فرد ہے، بغیر کسی اور بنیاد کے۔)

ماہرین سماجیات کے مطابق انسانی حقوق انسان ہونے کا خاصہ ہیں اور بحیثیت انسان ہمیشہ انسان کا استحقاق رہے ہیں ۔اگرچہ ان حقوق کا اظہار تاریخ کے مختلف ادوار میں تدریجاً ہوا ہے۔ مگر یہ اس وقت بھی انسان کے حقوق تھے جب انسانی حقوق کا نام بھی معرض وجود میں نہیں آیا تھا۔اسی طرح معاشرے میں کچھ رسوم رواج اور روایات ہوا کرتی ہیں جن کو معاشرہ قبول کرتا ہے۔اور وہ اخلاقی اقدار کہلاتی ہیں اور انھیں سے اخلاقی حقوق متعین کیے ہوتے ہیں۔ تاریخ انسانی کے مطالعہ یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ جب سے یہ کائنات وجود میں آئی ہے تب سے انسان اور مذہب ساتھ ساتھ ہیں۔خالق کائنات نے انسانوں کی راہنمائی کے لیے پیغمبر بھیجے لیکن پیغمبروں کے اس دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد ان کے ماننے والوں نے ان کے پیغام پر عمل کرنے کی بجائے خود سے نئی راہیں اختیار کر لی۔ جس سے وہ ہدایت کے راستے سے بھٹک گئے۔

بقول مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ (۱۹۰۳-۱۹۷۹ء):

اول اول تمام انسان ایک ہی امت تھے یعنی ایک خالص انسانی فطری حالت State of Nature میں تھے اور ان کے پاس خدا کی طرف سے براہ راست علم آیا ہوا تھا۔ پھر ان میں اختلاف ہوا، اور اختلاف اس وجہ سے ہوا کہ ان میں سے بعض لوگوں نے اپنی حد جائز سے گزرنے، اپنے فطری مرتبے سے زیادہ بلند مرتبہ حاصل کرنے اور اپنے فطری حقوق سے بڑھ کر حقوق قائم کرنے کی کوشش کی۔ تب اللہ کی طرف سے انبیاء آنے شروع ہوئے تاکہ لوگوں کو حق کا صحیح علم ہو جائے اور ان کے درمیان اجتماعی عدل Social Justice قائم کریں تمام انبیاء کا یہی مشن رہا ہے۔[12]

مذہب کا تعلق انسان کے اخلاقی وجود سے ہے، اور اخلاقیات، مذہب کا بنیادی موضوع ہے۔ لہٰذا، ہر مذہب نے ہمیشہ حقوق اور فرائض کو ایک ساتھ بیان کیا ہے۔اخلاقی معاملات میں تمام مذاہب کی تعلیمات میں کسی نہ کسی حد تک مماثلت پائی جاتی ہے۔ جیسے، کہ تمام مذاہب قتل، چوری، زنا اور لڑائی جھگڑے کو ممنوع قرار دیتے ہیں اور ان کے مقابل اچھائیوں کو اپنانے کی تلقین کرتے ہیں۔اسی لیے بنیادی انسانی رویوں، میلانات، رجحانات، کردار واطوار اور مسلمہ آفاقی سچائیوں کو تقریباً ہر مذہب میں یکساں اہمیت حاصل ہے۔

اخلاقی احکامات انفرادی واجتماعی سطح پرایک طرف تو معاشرتی اداروں کوتابع رکھتے ہیں اور دوسری طرف مذہبی اور وجدانی تصورات کی روشنی میں انسانی کردار و عمل کو ایسی سمت عطا کرتے ہیں جو ابدی منزل کی طرف طے ہوتے ہیں۔ گویامذاہب عقائد وعبادات اور اخلاقیات کے عناصر سے تشکیل پاتے ہیں جو انسانی زندگی کی تشکیل و تعمیر پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ تمام مذاہب اپنے ماننے والوں کودوسروں کے حقوق کی ادائیگی فرض اور لازم کردیتے ہیں جس میں دوسروں کے ساتھ حسن وسلوک، محبت وہمدردی ایثار وقربانی اور باہمی فرائض کی ادائیگی سب سے نمایاں ہیں، دراصل فرائض کی ادائیگی ہی حقوق کی ادائیگی ہے۔ کیونکہ جب ایک فرداپنے فرائض ادا کرتا ہے تودر حقیقت دوسروں کے حقوق ادا کررہا ہوتا ہے۔

مذہبی تعلیمات میں حقوق کا تصور اپنی خاص انفرادیت رکھتا ہے، یعنی وہ لازمی فرائض سے جڑا ہوا ہے۔ ایک کا فرض ،دوسرے کا حق ہے۔ مذہب کی زبان میں حقوقِ انسانی ان بنیادی اصولوں کانام ہے جن کہ تحت معاشرے میں رہتے ہوئے انسان کے ایک دوسرے سے جڑا رہتا ہے۔ مذہب ایک طرف خدا کے حقوق بتاتا ہے، جن کی ادائیگی، بندوں کے خدا سے تعلق میں ڈھل جاتی ہے۔ دوسری طرف، مذہب حقوق العباد پر زور دیتا ہے، جس انسانی معاشرہ یکجان ہو جاتا ہے۔

پروفیسر آروند شرما (Arvind Sharama:1940) اپنی کتاب Hinduism and Human Rights, A Conceptual Approach میں لکھتے ہیں:

> Hinduism, like Judaism, there is no word for rights the closest word to rights is *adhikara*, which relates to the idea of just claim.[13]
>
> (ہندومت میں یہودیت کی طرح حق کا لفظ استعمال نہیں کیا گیا بلکہ اس کے قریب ترین لفظ ادھی کار استعمال کیا گیا جس کا معنٰی، دعویٰ کے تصور سے مناسبت رکھتا ہے۔)

گویاہندومت کی تعلیمات میں ادھی کار کا لفظ حقوق کی ادئیگی کے تصور کے ساتھ جوڑ کر،اس کے لازم ہونے کا مفہوم پیدا کر دیتا ہے۔ دلچسپ حقیقیت یہ ہے کہ اس مذہب میں بھی حقوق اور فرائض کی علیحدگی کا تصور نہیں ہے،ایک ہندو کے لئے سب سے زیادہ ضروری ہے کہ وہ ذمہ داری (کرما) کو نبھائے۔ پروفیسر شرما، "کرم یا کرما" کی مزید وضاحت ان الفاظ میں کرتے ہیں:

> It is a comprehensive term, which includes duty, morality, ritual, law, order and justice. For example, it can be used in a ritualistic context to mean the religious duties-- [14]
>
> (یہ ایک جامع اصطلاح ہے، جس میں فرض،اخلاق،رسم، قانون،امن اور انصاف شامل ہیں مثال کے طور پر یہ مذہبی رسوم کے لحاظ سے فرائض کے سیاق وسباق میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔)

ہندومت میں حقوق کا حصول، قابلیت یا اہلیت پر نہیں بلکہ مذہب کی طرف سے زندگی کے مجوزہ طریقہ کار پر ہے۔ معروف ہندی مفکر سوامی ویویکانند(Vivekananda:1863-1902) لکھتے ہیں کہ انسانی حقوق ہندوؤں کے بنیادی اصولوں میں شامل ہیں۔ [15] علامہ ابوریحان البیرونی (973-1050) نے لکھا ہے کہ ہندؤں کے نزدیک مذہب میں فطری حقوقNatural Rights کے سلسلے میں نو اصول یہ ہیں:

قتل مت کرو، جھوٹ مت بولو، چوری مت کرو، زنا مت کرو، مال مت جمع کرو، پاکی اور صفائی کا خیال رکھو، روزے رکھو، تسبیح کرو۔ [16]

اسی طرح مانوLaw Of Manu کے تحت دس سب سے بڑی فضیلتیں ہیں: قناعت، راست گفتاری، زہد، ضبطِ نفس، دوسروں کی ملکیت کا احترام کرنا، دانش مندی، روحِ اعلیٰ کا علم، غصے سے بچنا، دوسروں کو معاف کرنا اور برائی کے بدلے اچھائی کرنا۔۔ان فضیلتوں پر غور کریں تو ہندومت کا فلسفۂ حقوق سامنے آتا ہے۔ بنیادی طور پر ہندومت میں مذہب کا مقصود ابتدائی زمانہ میں فرد کی اپنی بھلائی اور بعد کے دور میں فرد کی اپنی نجات رہا ہے۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہندومت میں سماجی زندگی کا ایک ایسا باقاعدہ نظام وجود میں آگیا جس کو مذہب کی پوری حمایت حاصل تھی۔

یہودی مذہب کی تعلیمات کا ماخذ توریت یا عہد نامہ عتیق ہے۔ توریت بنیادی طور پر اخلاقی قصوں اور کہانیوں پر مشتمل ہے جس کا مقصد انسان کی فلاح اور اسے سیدھا راستہ دکھانا ہے۔ اس سلسلہ میں خاص طور، حضرت موسیٰ کے احکام عشرہ کو بنیادی اہمیت حاصل ہے، کیونکہ یہ احکام سماجی حقوق و فرائض پر مشتمل ہیں۔ معروف پادری جان ویسلے (John Wesley:1703-1791) کہتا ہے:

> Every part of this law must remain in force upon all mankind in all ages, as not depending neither on time or place, nor on any other circumstances liable to change; but on the nature of God and the nature of man, and their unchangeable relation to each other.[17]
>
> (اس قانون کا ہر حصہ تمام انسانوں پر، ہر عہد میں لازمی لاگو رہنا چاہیے۔ وقت، مقام اور نہ ہی کسی دوسرے حالات میں، یہ تبدیل ہو سکتا ہے۔ بلکہ یہ خدا کی فطرت، انسان کی فطرت، اور ان کے درمیان، ناقابل تغیر رشتے کی طرح دائمی ہے۔)

یہودی فلسفہ کے مطابق، احکام عشرہ، انسانی حقوق کے قوانین ہیں جو خدا کی طرف سے تمام انسانوں کے لیے ہیں جن کو کسی بھی صورت میں تبدیل نہیں کیا جاسکتا۔ ان احکام کی بدولت نہ صرف خدا اور بندے کے درمیان بلکہ یہ بندوں کے درمیان

بھی باہمی پُرِ اعتماد رشتہ قائم کیا جا سکتا ہے ۔اسی لیے بائبل کے مشہور شارح میتھیوہنری[18] (Mathew Henry:1662-1714)نے احکامِ عشرہ کے بارے میں لکھا ہے:

> In the Law of Moses are very plain marks of sound moral feeling, and of true political wisdom. Everything in it is suited to the desired and avowed object, the worship of one only God, and the separation of Israel from the pagan world[19]-
>
> (موسیٰ(علیہ السلام) کے قانون میں ایک محکم اخلاقی احساس اور حقیقی سیاسی حکمت کے بہت واضح نشان ہیں۔اس میں ہر وہ موزوں چیز ہے جو معروف ، پسندیدہ اور مطلوب ہے۔ایک ہی خدا کی عبادت اور اسرائیل کو کافر دنیا سے الگ رکھنا۔)

ان احکام میں حقوق العباد شامل ہیں، یعنی والدین اور دیگر انسانوں کے حقوق ادا کرنے اور ان کے ساتھ احسان سے پیش آنے کا حکم دیا گیا ہے۔یہ بات کسی تفصیل کی محتاج نہیں کہ انھی قوانین پر عمل کرنے کے نتیجے میں ایسا معاشرہ قائم کیا جا سکتا ہے جہاں انسان سکون سے رہ سکیں۔ بائبل کی کتاب خروج میں،ان ہدایات کی تفصیل یوں آئی ہے:

> Honor your father and your mother, so that you may live long in the land the LORD your God is giving you. You shall not murder .You shall not commit adultery .You shall not steal. You shall not give false testimony against your neighbor. You shall not covet your neighbor’s house. You shall not covet your neighbor’s wife, or his male or female servant, his, or anything that belongs to your neighbor.[20]
>
> (اپنے باپ اور اپنی ماں کی عزت کرو تا کہ خدا تمہاری بھی عمر دراز کرے،اس زمین پر جو وہ تمہیں عطا کر رہا ہے۔خوں ریزی مت کرو۔زنا کا ارتکاب نہ کرو۔کسی دوسرے فرد کا مال چوری نہ کرنا۔اپنے ہمسائے کے خلاف جھوٹی گواہی نہ دینا۔تو اپنے پڑوسی کے گھر کا لالچ نہ کرنا،تو اپنے پڑوسی کی بیوی کا لالچ نہ کرنا اور نہ اُس کے غلام یا لونڈی اور نہ اپنے پڑوسی کی کسی اور چیز کا لالچ کرنا۔)

زرتشت(Zoroaster:1500BC-1000BC) سے منسوب الہامی کتاب اوستا اور اس کا متبرک ترین حصہ گاتھا بھی حقوق انسانی کے تذکرے سے مزین ہے۔ ہے یہ حصہ زرتشت کی اپنی تصنیف سمجھا جاتا ہے۔ زرتشت نے بہت سے شیاطین، مشکلات اور حریص خواہشات و گناہ کے خلاف لڑ کر نوع انسانی کی مادی اور روحانی ترقی اور فلاح و بہبود کی بنیاد ڈالی۔پارسی عالم ایم این ڈھالہ(M. N. Dhalla: 1875-1956) اپنی کتاب History of Zoroastrianism میں لکھتے ہیں:

اس مذہب کے ہاں نیکی اور خیر کا تصور انفرادی بھی ہے اور اجتماعی بھی۔ خیر و شر کے درمیان کشمکش ہی اخلاقی زندگی کی ضروریات کو اجاگر کرتی ہے اور حقوق کو واضح کرتی ہے۔اس لیے زرتشت نے اسی کو کافی نہیں سمجھا کہ خود انفرادی نیکی حاصل کرے بلکہ اس نے معاشرتی نیکی اور فلاح و بہبود کو بھی یکساں اہمیت دی ہے تاکہ حقوقِ انسانی کی حفاظت ہو سکے۔[21]

اس مذہب میں،انسانوں کے لیے خواہ مرد ہے یا عورت ہے یکساں حقوق کی تعلیمات دی ہیں۔ زرتشت نے نیک انسان کی خوبیاں بیان کرتے ہوئے اس کی پاکیزگی پر بہت زور دیا ہے،اس کی تعلیمات میں ذیل کے امور تاکید سے بیان ہوئے ہیں: غرباء کی خدمت، خیرات، ایمانداری، صداقت، نیک اعمال، نیک خیال، رحمدلی اور پرہیزگاری۔ اسی طرح منافقت، کینہ پروری، طمع، لالچ، لاپرواہی اور بے اعتقادی جیسی سلبی اقدار کی بھرپور مذمت کی گئی ہے۔

منگولی مذاہب میں سے بدھ مت جس کی بنیاد آج سے تقریباً اڑھائی ہزار سال پہلے جنوب مشرقی ایشیا میں شمالی بہار اور سرحدِ نیپال کی ایک ریاست کپل وستو کے شہزادے ساکھیا منی نے رکھی جنھوں نے تخت وتاج کو ٹھکراتے ہوئے انسانی مصائب اور ان کو حل کرنے کی کوشش کی۔ بدھ مت کے بانی مہاتما بدھ کا اصل نام سدھارتا اور گوتم ان کا لقب ہے اور مہاتما تعظیماً کہا جاتا ہے۔

اس مذہب کے روحانی پیشوا، بھکشو کہلاتے ہیں جو اپنی زندگی مذہب کے نام پر وقف کر دیتے ہیں۔ایک بدھی کے لیے جن دس احکام پر عمل کرنا ضروری ہوتا ہے، وہ حقوق انسانی سے معمور ہیں، مثال کے طور پر ذیل کا اقتباس، جس میں ہر اس عمل سے روکا گیا ہے، جس میں دوسروں کے حقوق تلف کر دے:

> Refrain from taking life. Refrain from stealing .Refrain from sexual misconduct. Refrain from lying. Refrain from using intoxicants. [22]
>
> (کسی کی جان تلف کرنے سے اجتناب کرو۔ چوری کا ارتکاب نہ کرنا۔ جنسی بداخلاقی سے بچو۔ جھوٹ سے دور رہو۔ نشہ آور اشیا سے اجتناب کرو۔)

علاوہ ازیں گوتم نے والدین کو حکم دیا ہے کہ وہ بچوں کی تعلیم کی طرف توجہ دیں اور انہیں برائی سے بچائیں، نیز ان کے لیے ترکے کی شکل میں معاش مہیا کریں۔ اولاد کو حکم دیا کہ وہ والدین کی اطاعت اور احترام کریں۔ اس طرح دوسرے لوگوں کو شفقت، محبت، ہمدردی، احترام، وفاداری، ہنر مندی، مساوات، حسن سلوک، ادب اور تعظیم کی ہدایت کی ہے۔

جین مذہب کے بانی مہاویر (Mahavira:468-540BC) نے نروان حاصل کرنے کا سلبی طریقہ یہ بتایا کہ انسان اپنے دل سے ہر قسم کی خواہشات اور آرزوؤں کو نکال دے کیونکہ خواہشات اور تمنائیں ہی رنج و غم اور مصائب کا

باعث ہوتی ہیں۔اس مذہب کی بنیادی تعلیم اہمسا یا عدم اذیت کا اصول ہے، جو ہر مخلوق کا ایک لازمی حق تسلیم کرنے کی تاکید کرتا ہے، اور وہ یہ کہ کسی کو کسی طرح کی اذیت یا تکلیف نہ دی جائے۔مہاویر کی تعلیم ہے:

Eyam khu nanino saram, jam na himsai kamcana Ahimsasamayam ceva, etavante viyaniya(Not to kill any [23]- living being, because it is against the equality.)

(کسی بھی جاندار چیز کو قتل نہ کیا جائے یہ مساوات کے خلاف ہے)

اسی طرح وہ کہتا ہے کہ ستیام Satyam یا راستی کو اپنا جائے اور دوسروں کے اموال کو ناجائز طریقے سے حاصل کرنے سے پرہیز کیا جائے:

Those who speak untruth hurt all, and it is an act of violence in some form or other, meaning disregarding the right of free living of man.[24]

(جو لوگ جھوٹ بولتے ہیں وہ سب کو زخمی کرتے ہیں، اور یہ کسی نہ کسی شکل میں تشدد کا ایک فعل ہے، جس کا مطلب ہے انسان کے آزاد رہنے کے حق کی توہین ہے۔)

جین مت میں پاک دامنی کے ساتھ زندگی گزرانے کو برہمچاری Brahmachary کہتے ہیں۔اس سلسلے میں مہاویر کی ہدایات ہیں کہ:

Every living creature has a right to live and it is the duty of human beings to show respect towards right of all creatures' .The observance of this principles, might protect the people from committing many crimes and evils against man's livings.[25]

(ہر زندہ مخلوق کو زندہ رہنے کا حق ہے اور یہ انسانوں کا فرض ہے کہ وہ تمام مخلوق کے اس حق کا احترام کرے۔اس اصول پر کاربند رہنے سے لوگ خود انسانوں کے خلاف، بھی کئی جرائم اور برائیاں کرنے سے محفوظ ہو جاتے ہیں۔)

جین مت یوں تمام ذی روح اور ذی حیات اجسام کے حق میں (عدم تشدد) کی تعلیم دیتا ہے۔یہ مذہب زندگی میں مساوات اور روحانی آزادی کا حامی ہے۔ جین مت کے پیروکاروں کا عقیدہ ہے کہ عدم تشدد اور ضبط نفس کے ذریعہ نجات حاصل کر سکتے ہیں۔اس طرح جین مت میں خدمت خلق کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔وہ ایسے ادراروں کا قیام عمل میں لاتے ہیں جن کے ذریعے انسان اور حیوان کی خدمت ہو سکے۔

چین کا مشہور معلم اخلاق اور بانی مذہب کنفیوشس (Confucius:551-479BC) معاشرے اور حکومت کے استحکام کی بنیاد بتاتے ہوئے تعلیم دیتا ہے کہ ہر فرد معاشرہ کو ذمہ دار اور فرض شناس ہونا ضروری ہے:

> There is government, when the prince is prince, and the minister is minister; when the father is father, and the son is son.[26]

(اچھی حکومت وہ ہے جس میں بادشاہ (کا حقیقی کردار ادا کرنے والا) بادشاہ ہو اور وزیر (ذمہ دار) وزیر ہو باپ (فرض ادا کرنے والا) باپ ہو اور بیٹا (اپنے والدین کے حقوق ادا کرنے والا) بیٹا ہو۔)

گویا کنفیوشس کے نظریہ کے مطابق جب تک ہر فرد معاشرہ اپنی ذمہ داری اور فرض کی ادائیگی میں اپنا کردار ادا نہیں کرے گا تب تک معاشرہ مربوط و مستحکم نہیں ہو سکتا۔ اسی تعلیم کا دوسرا رخ کنفیوشس کے پانچ رابطے[27] (Five Links) مشہور ہیں: حکومت اور رعایا، میاں اور بیوی، باپ اور بیٹے، بھائی بھائی اور دوست دوست کا باہمی ربط و تعلق، جب تک مثالی نہیں ہوتا تب تک معاشرے سے انار کی ختم نہیں ہو سکتی۔

اسی طرح قدیم چینی مذہب بھی اخلاقی فلسفہ کا حامل ہے۔ تاؤمت کا نام اس مذہب کی مقدس کتاب تاؤتی چنگ (Tao- Te-ching) سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی راستہ یا فطرت کا راستہ ہو سکتا ہے۔ اس مذہب میں بھی دوسرے مذاہب کی طرح قتل، شراب نوشی، چوری، زناکاری، جھوٹ بولنے کو حرام سمجھا جاتا ہے۔ ماں باپ کی اطاعت، استاد کا احترام، سب انسانوں سے محبت، رفاہِ عامہ کے کام کرنے، علم کی روشنی پھیلانے کی تلقین کی گئی ہے۔

اس مذہب کے عظیم مفکر لاؤزے (Laozi:471-571BC) کی اخلاقی تعلیمات کا ایک اہم پہلو عدم مداخلت ہے جو حقوق انسانی کو واضح کرتا ہے اس کا قول ہے کہ اگر بنی آدم اس اصول کو اپنا لیں تو جنگ و جدل، حرص و ہوس کا خاتمہ ہو جائے گا اور انسانی زندگی میں امن و امان اور خوشحالی کا دور دورہ ہو گا۔ لاؤزے نے محبت اور انکساری کا درس دیا ہے اور نیک و بد، اچھے برے ہر ایک کو مخلص اور راست باز ہونے کی تعلیم دی ہے۔[28]

حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات میں بندوں کے درمیان برادرانہ تعلق پر بہت زور دیا گیا ہے۔ اس ضمن میں حضرت عیسیٰؑ نے جن خوبیوں کو خصوصی اہمیت دی ہے ان میں مساوات، عفو و درگزر، عیب جوئی سے پرہیز، عجز و انکسار اور اپنے دشمنوں اور برا چاہنے والوں کے ساتھ بھی نیکی کا سلوک سرفہرست ہیں۔ بائبل میں دوسروں کے حقوق غصب کرنے پر سزا کی وعید حضرت عیسیٰؑ کی طرف سے یوں درج ہے:

> You have heard that it was said to the people long ago you shall not murder، and anyone who murders will be subject to judgment.[29]

(تم سن چکے ہو کہ اگلوں سے کہا گیا تھا کہ تم خون نہ کرنا اور جو کوئی خون کرے گا وہ عدالت کی سزا کے لائق ہوگا)

حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات دوسری موقع پر اس طرح آتی ہیں:

> Live as free people, but do not use your freedom as a cover-up for evil; live as God's slaves. Show proper respect to everyone, love the family of believers, fear God, and honor the emperor.[30]

(اور اپنے آپ کو آزاد جانو مگر اس آزادی کو بدی کا پردہ نہ بناؤ بلکہ اپنے آپ کو خدا کے بندے جانو سب کی بھرپور عزت کرو، ایمان والوں کی برداری سے محبت رکھو، خدا سے ڈرو اور بادشاہ کی عزت کرو۔)

مختصر یہ کہ عیسائیت میں امن و آشتی، محبت، بھائی چارے اور صلح کل کا پیغام ملتا ہے اور یہی اس کے اخلاقی فلسفے کے نمایاں خدو خال متعین کرتا ہے۔

اسلام میں حقوق اور فرائض باہمی طور پر مربوط اور ایک دوسرے پر منحصر تصور کئے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں فرائض، واجبات اور ذمہ داریوں پر زور دیا گیا ہے، جس سے خود بخود دوسروں کے ادا ہوتے رہتے ہیں۔ اسلامی شریعت میں انسانی فرائض و واجبات کو کس قدر اہمیت دی گئی ہے، ذیل کے ارشادِ ربانی سے واضح ہے:

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَۨا

(اور تم سب اللہ کی بندگی کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ، ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کرو، قرابت داروں، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ اور پڑوسی رشتہ دار سے، اجنبی ہمسایہ سے، پہلو کے ساتھی اور مسافر سے اور ان لونڈی، غلاموں سے جو تمہارے قبضہ میں ہوں، (نوکروں سے) احسان کا معاملہ رکھو، یقین جانو اللہ کسی ایسے شخص کو پسند نہیں کرتا جو مغرور اور خود پسند ہو۔)

اس آیت میں اسلامی تمدن کے بنیادی اصول بیان کئے گئے ہیں جن کے طفیل اسلامی معاشرہ کو اقوام عالم میں ایک منفرد مقام حاصل ہو گیا ہے۔ اس آیت مبارکہ میں بڑے دلکش انداز میں بتایا جا رہا ہے کہ انسان کا تعلق اپنے کریم و رحیم پروردگار سے کیسا ہونا چاہیے اور اپنے ماں باپ، قریبی رشتہ دار اور معاشرہ کے دوسرے افراد کے ساتھ اس کا برتاؤ کیسا ہونا چاہیے۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد کے دونوں یہاں موجود ہیں۔

قرآن حکیم کی آیات سے واضح ہوتا ہے کہ پوری انسانیت ایک جان سے پیدا کی گئی ہے، لہٰذا، بنیاد سے ہی واضح ہو گیا کہ سب کے حقوق ایک جیسے ہیں، برابری کی بنیاد پر۔ خونی رشتوں اور قرابت داری میں محبت و خلوص کو صلۂ رحمی کے نام سے تعبیر کیا گیا اور اہلِ قرابت کے ساتھ اچھے تعلّقات رکھنے، ان کا احترام کرنے کو باعثِ اجر و ثواب قرار دیا۔ ارشاد باری تعالی ہے:

يٰٓاَيُّها النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْ زَوْجَها وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَاۗءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَاۗءَلُوْنَ بِه وَالْاَرْحَامَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا"

(اے لوگو ڈرو اپنے پروردگار سے جس نے تم کو پیدا کر دیا ایک سے اور اسی سے پیدا کر دیا اس کا جوڑا اور پھیلا دیئے ان دونوں سے بہتیرے مرد اور عورتیں اور ڈرتے رہو اللہ سے جس کا تم باہم واسطہ دیا کرتے ہو اور خیال رکھو رشتوں کا بیشک اللہ تمہارا نگران حال ہے۔)

دین اسلام مذہبی آزادی کو بھی انسان کا ایک حق قرار دیتا ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ اگر اللہ چاہتا تو تمام لوگوں کو اپنے دین کا بھی پابند کر دیتا، لیکن اللہ نے مذہب کے معاملے میں اس کو آزادی دی ہے۔ لہٰذا، قرآن مجید میں یہ اصول بھی بیان ہوا ہے کہ:

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ"

(دین کے سلسلے میں کوئی جبر نہیں ہے، ہدایت اور ضلالت واضح ہو چکی ہے۔)

گویا کسی کو مذہب قبول کرنے پر مجبور نہ کیا جائے گا، انسان خود اس نتیجے پر پہنچ کر مالک کائنات کے سامنے سجدہ ریز ہو جائے تو قبول، کسی کو جبراً مسلمان نہ بنایا جائے۔ جیسے قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے:

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۣ فَمَنْ شَاۗءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَاۗءَ فَلْيَكْفُرْ"

(اور کہیے کہ حق رب کائنات کی طرف ہی ہے، تاہم جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے انکار کر دے۔)

ہاں انسان کو ہدایت کے اس سرچشمے کی طرف دعوت، تہذیب کے دائرے میں رہ کر دی جانی چاہیے۔ جیسے سورہ النحل میں ہے:

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِىَ اَحْسَنُ"

(تو بلا اپنے رب کے راستہ کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ اور ان سے جھگڑا کر اس طریقہ سے جو اچھا ہے۔)

قرآن مجید میں ہے کہ انسان کو اپنی بنیادی ضرورتیں پوری کرنے کا حق ملنا چاہیے۔ اس کا ایک بنیادی حق یہ بھی ہے۔ لباس و خوراک بھی انسان کی ایک فطری ضرورت ہے۔ قرآن مجید کا نقطۂ نظر اس معاملے میں بالکل واضح ہی نہیں بہت وسیع ہے۔ وہ

کہتا ہے کہ پوری زمین میں انسانوں کی معیشت کا ساز و سامان پھیلا ہوا ہے۔اس سے سب ہی استفادہ کر سکتے ہیں۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ۭقَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ [٣٦]

(ہم نے تمھیں زمین میں اقتدار دیا اور اس میں تمھارے لیے معاش کے سامان رکھ دیے۔)

اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا کی اس زمین میں جو اسبابِ معاش ہیں ان سے فائدہ حاصل کرنے کا ہر ایک کو حق ہے۔ایک جگہ فرمایا:

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِه ۭ وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ [٣٧]

(وہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو تابع بنا رکھا ہے تو تم اس کے کندھوں پر چلو پھرو اور کھاؤ اس کی دی ہوئی روزی، پھر اسی کی طرف اٹھنا ہے۔)

عورت اور مرد انسانیت کے یک جان دا قالب ہیں۔ان دونوں کے درمیان حقوق و فرائض کی ایک مثالی ترتیب بھی مذہب ہی نے عطا کی ہے۔عورت ذات تا قیامت پیغمبر اسلام کی ممنون رہے گی کہ انہوں نے تاریخ انسانی میں پہلی دفعہ خواتین کو مقام اور حقوق دیے جو اسے کبھی نہیں مل سکے تھے۔قرآن حکیم نے بتایا کہ تخلیق کے اعتبار سے مرد اور عورت دونوں برابر ہیں دونوں کو نفس واحد (ایک جان) سے پیدا کیا گیا۔[38] اور ایک خاندان میں میاں اور بیوی ایک دوسرے کی حفاظت کرتے ہیں:

هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَهُنَّ۔[39]

(تمھاری بیویاں تمھارا لباس ہیں اور تم ان کا لباس ہو۔)

اسلام نے عورت کو مالکانہ حقوق دیئے جو پہلے اسے حاصل نہ تھے اور یہ اسی طرح کے حقوق ہیں جیسے مردوں کے ہیں یعنی روزگار، کمانے کا حق اور اسے اپنی مرضی سے خرچ کرنے کا حق۔ارشاد ربانی ہے:

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِمَّا اكْتَسَبْنَ۔[40]

(مرد جو کماتے ہیں وہ ان کا ہے اور عورتیں جو کماتی ہیں وہ ان کا ہے۔)

قرآن حکیم نے عورت کو حق دیا ہے کہ وہ اپنا نکاح خود کر سکتی ہے۔ایسی طلاق یافتہ عورت کے بارے میں جسے شوہر نے تین طلاق دے دی ہوں قرآن میں ہے کہ وہ اپنے پہلے شوہر کے لیے جائز نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہ اس کے علاوہ کسی دوسرے مرد سے نکاح نہ کر لے: حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ۔[٤١] (یہاں تک کہ کسی دوسرے شوہر سے نکاح کر لے۔) قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ اگر مرد کسی وجہ سے محسوس کرتا ہے کہ بیوی کے ساتھ اس کا نباہ نہیں ہو سکتا تو وہ دیا ہوا مہر اور دوسرا ساز و سامان عورت کو

چھوڑ کر گواہوں کی موجودگی میں اسے طلاق دے سکتا ہے اور اگر عورت محسوس کرتی ہے کہ وہ کسی وجہ سے اس شوہر سے نباہ نہیں کر سکتی تو وہ لیا ہوا حق مہر شوہر کو واپس کر کے قانونی طریقے سے الگ ہو سکتی ہے۔

قرآن مجید میں کئی آیات میں خواتین کے حقوق کا تحفظ، ان کے عزت و احترام اور ان کے ساتھ بھلائی اور خیر خواہی کا حکم بار بار دیا گیا، مثلاً ارشاد ربانی ہے: وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ۔[42] (عورتوں کے حقوق بھی اسی طرح ہیں جیسے ان کے فرائض ہیں، دستور کے مطابق۔)

نبی کریم حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ نے آخری الہامی کتاب قرآن مجید کو دنیا کے سامنے منشور حقوقِ انسانیت اور تکریم انسانیت کی حیثیت سے پیش کیا اور اللہ کے اس دستور کو عملی جامع پہنایا۔ آپ ﷺ نے آخری حج کرتے وقت اپنے خطبے میں ارشاد فرمایا:

> يَا أَيُّهَا النَّاسُ، أَلَا إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ، وَإِنَّ أَبَاكُمْ وَاحِدٌ، أَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى عَجَمِيٍّ، وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلَى عَرَبِيٍّ، وَلَا أَحْمَرَ عَلَى أَسْوَدَ، وَلَا أَسْوَدَ عَلَى أَحْمَرَ، إِلَّا بِالتَّقْوَى ---[۴۳]
>
> (لوگو! خوب سن لو، تمہارا رب ایک ہے، تمہارا باپ ایک ہے، نہ عربی کو عجمی پر نہ عجمی کو عربی پر، نہ گورے کو کالے پر، نہ کالے کو گورے پر، اگر کسی کو کسی دوسرے پر کوئی فضیلت حاصل ہو سکتی ہے تو صرف تقویٰ کی بنیاد پر۔)

اس سے بڑھ کر حقوق انسانی کا تحفظ اور کیا ہو گا کہ اسلام نے انسانوں کی برادری میں تمام قسم کے امتیازات کو ختم کیا۔ ذات پات، نسل، رنگ، جنس، زبان، حسب و نسب اور مال و دولت پر مبنی تعصبات کو جڑ سے اکھاڑ دیا اور تاریخ میں پہلی مرتبہ تمام انسانوں کو ایک دوسرے کے ہم پلہ قرار دیا خواہ وہ امیر ہوں یا غریب، سفید ہوں یا سیاہ، مشرق میں ہوں یا مغرب میں، مرد ہو یا عورت اور چاہے وہ کسی بھی لسانی یا جغرافیائی علاقے سے تعلق رکھتے ہوں۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خطبہ حجۃ الوداع، حقوقِ انسانی کا اولین اور ابدی منشور ہے جو کسی وقتی سیاسی مصلحت یا عارضی مقصد کے حصول کے لئے نہیں بلکہ عالم ارضی میں اللہ کے آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے بنی نوع انسان کی فلاح کے لئے جاری کیا گیا۔

> فَإِنَّ دِمَاءَكُمْ، وَأَمْوَالَكُمْ، وَأَعْرَاضَكُمْ، بَيْنَكُمْ حَرَامٌ، كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا، فِي شَهْرِكُمْ هَذَا، فِي بَلَدِكُمْ هَذَا، لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الغَائِبَ ---[۴۴]
>
> (بے شک تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری علامات کی تمہارے درمیان حرمت ہے جیسے کہ آج کا دن، یہ مہینہ اور تمہارا یہ مقدس شہر کی حرمت ہے۔ یہ لازم ہے کہ جو یہاں موجود ہے وہ اس کو پہنچائے اس تک جو یہاں نہیں ہے۔)

آخری حج کے ان خطبات میں نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم نے دین اور نبوت و رسالت کے مکمل ہونے کا اعلان فرمایا، جاہلیت کے دور کے خاتمے کا اعلان کیا جس نے تمام حقوق انسانی پر جبر کے سائے بٹھار کھے تھے، خواہشات کی غلامی، نسلی و لسانی تفاخر کو ختم کیا، معاشی حقوق کا استیصال کرنے والی روایت سود خوری کا خاتمہ کیا، انسانی جان، مال، اور عزت کی حرمت کو ،بیت اللہ کی حرمت کے برابر قرار دیا، کمزور طبقات، غلاموں، یتیموں اور خواتین کے حقوق کی تفصیل عطا فرمائی۔ احادیث کی تمام کتب میں پوری تفصیل درج ہے، جس میں بنیادی طور پر انسانی فرائض اور حقوق کا خاکہ سامنے آتا ہے۔ انسانی حقوق کی اس سے جامع کوئی صورت نہیں ہو سکتی، اور ایسے دور میں جب حقوق انسانی کے حوالے سب سے تاریک دور تھا۔ اسلام کا یہ احسان ،پوری انسانیت کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔

حواشی و حوالہ جات

مثال کے طور پر دیکھیے: القرآن الحکیم، الاعراف ۷: ۳۰ اور البقرہ ۲: ۲۶، ۴۲، ۶۱، ۱۱۷

۲ تفصیل کے لیے: الجرجانی، علی بن محمد بن علی ،التعریفات، بیروت: دار الکتب العلمیہ 1403 ھ، ج: ۱، ص: ۸۹ القزوینی، احمد بن فارس، مقاییس اللغۃ لبنان: دار الفکر، ۱۳۹۹ھ ج: ۱، ص: ۲۲، ابن منظور، جمال الدین محمد بن مکرم، لسان العرب، لمطبعۃ الخیریہ، مصر، ۱۳۰۳ھ ج: ۲، ص: 434

۳ اصفہانی ،ابو القاسم حسین بن محمد بن مفضل بن محمد الراغب، المفردات فی غریب القرآن، موسسہ الرسالۃ، بیروت ۱۴۰۸ ھ ج: ۱، ص: ۳۴۳

القرآن، یونس ۱۰۴: ۵

ایضا: ۳۲۵

یونس ۱۰۶: ۳۲

یونس ۱۰۷: ۳۲

8 https:www.Human Rights.vocabulary.com. Accessed on:12-07-2018, at: 8.40 am

9 Della Summer, Longman Dictionary of Contemporary English, England 1987,p:756

10 http:www.dictionary.com.obligation Accessed on:15-17-2018, at:11.32 am

John Simpson, Oxford English Dictionary, Oxford University Press 1993,p:543

David P. Forsythe, Encyclopedia of Human Rights, Oxford University,2009, p:23411

۱۲ مودودی، سید ابوالاعلیٰ ۔ تفہیمات، اسلامک پبلی کیشنز۔ لاہور: ۲۰۱۶ء، ج: ۱، ص: ۱۱۵

13 Arvind Sharma, Hinduism and Human Rights, A Conceptual Approach, New Delhi 2008, p:207

14 Ibid.

15 Swami Vivekananda, Vedanta philosophy, p:6

16 Al-Bīrūnī, kitab ul Hind, Oxford University 2009, p:56

17 Stanley, From Faith to Faith: John Wesley,Covenant Theology and the Way of Salvation, p:69

19 Mathew Henry, Commentary on bible: Jewish Publication Society of America,1922,

Exodus 23:7

20 The Holy Bible,Exodus20:12-17

21 M.N. Dhalla, History of Zoroastrianism: Oxford University،1957, p: 22

22 Vinaya Pitaka. I.B. Horner, Book of the Discipline,p:78

23 Jain, Sagarmal (ed.) Saman Suttam, p:54

24 Tiwary, Binod Kr. Relevance of Jain Principles of Mahavira, Vol. XVI, No. I، p:33

26 The Analects of Confucius,Vol:VI,p:304

27 Ibid.

28 Kramer, Kenneth (1986), World scriptures: an introduction to comparative religions,

New York: Paulist Press

29 Matthew 5:21

30 Peter2:16-17

۳۱ النساء ۴: ۳۶

۳۲ النساء ۴: ۱

۳۳ البقرہ ۲: ۲۵۶

۳۴ الکہف ۱۶: ۱۲۵

۳۵ النحل ۱۸: ۲۹

۳۶ الاعراف ۷: ۱۰

۳۷ الملک ۶۵: ۱۵

۳۸: سورۃ النساء، ۴: ۱

۳۹: سورۃ البقرۃ، ۲: ۱۸۷

۴۰ : سورۃ النساء، ۴ : ۳۲
۴۱ البقرہ ۲ : ۲۲۹
۴۲ البقرہ ۲ : ۲۲۸
۴۳ احمد بن حنبل، المسند، المؤسسۃ الرسالۃ ۱۴۲۱ھ، باب حدیث رجل من اصحاب الرسول، ج : ۳۸، ص : ۴۷۴
۴۴ البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع المسند الصحیح، باب لیبلغ العلم الشاهد الغائب، دار طوق النجاۃ ۱۴۲۲ھ، ج : ۱، ص : ۳۳